پانچ دروازے

ایک سادہ لوح قاری نے کسی دن اپنے مربی' ادب کے ایک برگزیدہ شخص سے پوچھا "حضرت! اعلا ادب یا خالص ادب کے لیے کون سا موضوع جائز ہے؟"

مسئول محترم نے خندہ پیشانی سے مدعا سنا اور متانت سے کہا "عزیز من! ادب کسی موضوع کا پابند نہیں ہوتا۔ ادب تو ایک لباس ہے' خیال کا لباس۔ جتنا یہ دیدہ زیب ہو گا' اتنی ہی خیال کی شخصیت دل آویز' وجیہہ اور باوقار ہو گی۔ ادب کے لیے کوئی موضوع مخصوص یوں نہیں ہو سکتا کہ اس کا تعلق براہ راست زندگی سے ہے ..... اور زندگی تو ایک سمندر ہے۔ زندگی کے دور دراز گوشوں' زندگی کے پاتال تک ادب کی رسائی ہوتی ہے۔ ادب سے مراد اظہار ہے اور اظہار سے مراد ہے لفظوں کا آمیزہ' لفظوں کی ترکیب و تدبیر' تشکیل و تعمیر' لفظ برتنے کا قرینہ اور سلیقہ۔ لفظوں کا یہ آمیزہ جس قدر دل پزیر' اثر گیر ہو گا' اتنا ہی وہ ادب ہے۔ ہر موضوع ادب بن سکتا ہے' شرط تو بیان و اظہار کی مشاقی اور چابک دستی کی ہے۔ اظہار کی صناعی ادب ہے' اسلوب ادب' انشا ادب ہے۔ حسن بیان سے پامال خیال ارفع ہو جاتا ہے اور نازک خیالی فرسودہ اظہار سے اکارت چلی جاتی ہے۔ یہ تو ولے شاذ شاذ ہی ہوتا ہے کہ خیال بھی عمدہ ہو' انشا بھی اعلا۔ اسے دو آتشہ کہو۔ محض خیال ایک مجرد چیز ہے۔ محض انشا' ادب ہو سکتی ہے۔ خیال مابعد الطبعی' ماورائے فکر اور بعید از امکاں ہو سکتا ہے۔ انشا ایک حد تک ہی اس بے راہ روی کی متحمل ہو سکتی ہے۔ انشا کی ترسیل اپنے عہد اور مخاطبین سے مشروط ہوتی ہے۔ انشا میں اجتہاد تیزی سے ممکن نہیں۔ خیال پاگل ہو سکتا ہے' انشا نہیں۔ یہی انشا کا کمال ہے کہ وہ کسی دیوانے خیال کو پابند عقل نہیں تو لائق ترسیل کرے۔ انشا کو خیال اور موضوع سے غرض نہیں ہوتی۔ اس کا کام بہتر سے بہتر انداز میں پیغام منتقل کرنا ہے۔ خیال اور موضوع کوئی بھی' کچھ بھی ہو۔"

سائل نے عرض کی۔ "قبلہ گاہی کا بیان نہایت خوب ہے۔ دریچے کھولتا ہے مگر سائل کا مقصود اتنا ہے کہ ہمارے تو نقاد ادیبوں اور شاعروں کا رویہ بہت مختلف ہے۔ وہ تو بعض موضوعات کو ادب کے دائرے سے یکسر خارج کر دیتے ہیں۔ بعض موضوعات کے سلسلے میں ان کا رویہ معاندانہ رہا ہے۔"

"وہ موضوع پر نہیں' اظہار کی سطحیت پر ناراضی کا اظہار کرتے ہوں گے۔" صاحب موصوف نے ترش روئی سے کہا۔ "یہ بدقسمتی ہے کہ عام موضوعات پر قلم اٹھانے والے عموماً اظہار و بیان کے اعلا فن سے قاصر رہتے ہیں۔"

"مگر زندگی کے روزمرہ مشاغل و معمولات پر خامہ فرسائی کرنے والوں کی تحریریں کبھی بہت مقبول بھی ہوتی ہیں۔ عوام الناس کی پسندیدگی بھی تو ایک وصف ہے۔ اکثر ایسا ہوا ہے کہ بہت مقبول و مطلوب تحریروں کا خالق ادب کے اعلا مناصب کی آرزو کرتا رہتا ہے اور ادب کے مناصب و مراتب سے سرفراز کرنے والے اسے اعتنا کا سزاوار نہیں سمجھتے۔ کیا عوام الناس کی پسندیدگی کسی تحریر کو بے رتبہ کر دیتی ہے؟"

"قطعاً" نہیں" بزرگ نے عجلت سے کہا۔ "لیکن یہ ایک واقعہ ہے کہ عام لوگوں کو اظہار کی نزاکت و لطافت' بلاغت و فصاحت کی ایسی تمیز نہیں ہوتی۔ اپنے مبلغ علم اور منبع اکتساب کے مطابق فراغت کے اوقات میں وہ دلچسپ' رواں دواں' ہلکی پھلکی' شوخ' شرارتی' مہکتی' لہراتی اور سنسنی خیز خبریں پڑھنا چاہتے ہیں۔ ایسی چیزوں کی ضرورت ہر جگہ' ہر ملک اور ہر زبان کے قارئین کو رہتی ہے۔ ان کی اہمیت و افادیت مسلم ہے کہ یہ کسی ضرورت کو پورا کرتی ہیں۔ ایسی تحریریں بلبلوں کے مانند ہوتی ہیں' پھل جھڑی کے مانند اور بس!"

"یہ تو پائیداری کی بات ہوئی۔ کیا دیر تک زندہ رہنے والی تحریریں ہی ادب کے زمرے میں آتی ہیں؟ چھوٹی چھوٹی عمروں کی تحریروں کی ادب میں کوئی گنجائش نہیں ہے؟" سائل نے مودبانہ جسارت کی "تو پھر ایک ادب پارے کے لیے کم سے کم اور زیادہ سے زیادہ کتنی عمر مناسب ہوتی ہے۔ سو سال' ڈیڑھ سو سال' دو سو یا اس سے زیادہ؟"

بزرگ نے توقف کیا اور گراں باری سے کہا۔ "وقت کا کوئی تعین نہیں کیا جا سکتا۔ بعض تحریریں سنگ میل کا درجہ رکھتی ہیں۔ ایک عرصہ گزرنے کے بعد وہ اپنی افادیت کھو بھی دیں تو ان کا مرتبہ کم نہیں ہوتا۔ ادب' نا ادب کی بحث خاصی قدیم اور پیچیدہ ہے۔ افادیت کی تکرار یعنی کسی تحریر میں دوبارہ پڑھے جانے' بار بار پڑھے جانے کی خوبی ایک عمدہ بات ہے۔ اس کا مطلب ہے کہ اس میں کوئی تازگی اور تابندگی ہے۔ کوئی نیا خیال ہے لیکن قاری کی آسودگی یا یوں کہو کہ کوئی تحریر زیادہ لوگوں میں پڑھی جانے سے مراد یہ نہیں ہے کہ ادب کے اعلا منصب پر فائز ہو جائے۔ اصل میں کچھ یوں ہے کہ اعلا تحریر کا ذائقہ' رنگ اس کی خوشبو ہی کچھ اور ہوتی ہے۔ اس میں معانی کی تہیں اور پرتیں ہوتی ہیں۔ مفاہیم کے شیڈز ہوتے ہیں اور یہ فکر پہ اکساتی ہے۔ اسے پڑھ کر کسی دریافت کی سرخوشی حاصل ہوتی ہے۔ یہ خیال کا معاملہ آگے بڑھاتی ہے۔ لطافت اور گداز کو نمو دیتی ہے۔ ظاہر ہے' عام' خوش گوار' دلچسپ اور سنسنی آفریں تحریریں وقت کو کتنا ہی رنگین اور دل نشیں کر دیں لطیف اور نازک احساسات سے مرصع' حقیقت احوال سے مسجع تحریروں کے قبیل میں تو نہیں آسکتیں۔"

"مگر جناب عالی' اس کا مطلب یہ تو نہیں ہونا چاہیے کہ عوام الناس کو بہ کثرت آسودہ کرنے والی تحریروں سے مغائرت اور معاندت برتی جائے۔ کیا اعلا ادب کی تمام تحریریں اعلا ادب کے معیار پر پوری اترتی ہیں۔ ان میں بھی ایک درجہ بندی قائم رہتی ہے۔ ذوق اور غالب' انیس اور دبیر کی طرح۔ بستر ہے' ادب کی بحث میں یورپ اور امریکا کی مثال سامنے رکھی جائے۔ انہوں نے صنعتی و سائنسی معرکوں کے پہلو بہ پہلو ادب و ثقافت میں بھی کارنامے انجام دیے ہیں۔ ادب کے معاملات و مسائل ہمارے ہاں کی نسبت وہاں زیادہ وسیع اور منظم ہیں۔ ان کی تعلیمی اوسط بھی صد فی صد ہے۔ دنیا کی بہترین کتابیں' عظیم الشان کتب خانوں' عظیم الشان درس گاہوں کا ایک سلسلہ ہے وہاں۔ انہوں نے اپنے تخلیق پاروں کے لیے خانے بنا دیے ہیں۔ وہاں عام طرز کی دل فریب' حیرت آمیز اور سنسنی خیز تحریروں کا ایک مقام ہے۔ انہوں نے اسے جاسوسی' جرائم' مہمات' شکار' سائنس فکشن' پراسرار ادب کے عنوانات دے دیے ہیں اور دائرے سے ایسے ادب کو ادب بدر نہیں کر دیا ہے۔ ان کے ہاں ان موضوعات پر لکھنے والوں کو قطار سے الگ نہیں کھڑا کر دیا جاتا۔ سراغ رسانی کے موضوع پر مشتمل ایڈگر ایلن پو کی تین کہانیاں انگریزی ادب اپنا سرمایہ سمجھتا ہے۔ کانن ڈائل' اگاتھا کرسٹی' آئن فلیمنگ وغیرہ ان کے ہاں بڑے معزز اور محترم قلم کار ہیں۔ کیا یورپ اور امریکا کے ناقدوں کا یہ رویہ اپنے لکھنے والوں کے لیے مہمیزی اور افزائش حوصلہ کا باعث نہیں ہوتا ہو گا۔"

"بے شک" اس یکتائے روزگار نے سرہلا کے تذبذب آمیز سنجیدگی سے کہا۔ "تمہاری معروضات جی کو لگتی ہیں۔ ان پر یہاں کے اہل فکر و نظر کو تحمل سے غور کرنا چاہیے تاہم یہ امر بھی طے ہے کہ خالص ادب تو خالص ادب ہی ہوتا ہے اور اس کی پرکھ کے لیے پیمانہ و اوزان مقرر نہیں تو شعور و ادراک اس کا تعین اس کی تمیز کرتے ہیں۔"

طالب علم قاری کو گمان ہوا کہ مزید تکرار سے سوئے ادب کا مسئلہ نہ پیدا ہو جائے اور کوئی ناروائی' ناز یبائی سرزد نہ ہو جائے۔ گو وہ کہنا چاہتا تھا کہ عمومی' عوامی تحریریں اعلا ادب کے راستوں کی نشان دہی کرتی ہیں۔ یہ تحریریں مراحل و منازل کا درجہ رکھتی ہیں۔ توتا مینا کے قصوں سے ادب کی سیڑھیاں شروع ہوتی ہیں اور یہ "بے ہنر" تیز' گرم' چٹ پٹ دار تحریریں بھی سیڑھی کا لازمہ ہیں' کیوں نہ اسے ابتدائی ادب کا درجہ دیا جائے۔ تخلیق کی مساعی کی مشقت تو اپنی جگہ ہے۔ کاری گری میں کوئی کوتاہی ہے یا ایسی معیاری نہیں تو اس کی سزا اتنی شدید نہیں ہونی چاہیے۔ وہ متجسس اور مضطرب طالب علم اپنے ممدوح ابن صفی صاحب کا معاملہ پیش کرنا چاہتا تھا۔ ابن صفی کو اردو ادیبوں بلکہ تخلیق کاروں کی صف میں کس مقام پر تعینات کیا جانا چاہیے اور اصل میں انہیں منصب کون سا دیا گیا ہے۔ ابن صفی نے مقدار و تعداد میں بے شمار لکھا ہے اور وہ سب کچھ زندگی سے عبارت ہے۔ جنس و عشق کی طرح زندگی کا ایک گوشہ جرم بھی ہے۔ یہ اندھیرا ہر کوچہ و بستی کا حصہ اور مقدر ہے۔ ابن صفی کو اندھیروں میں دیکھنا آتا تھا اور کچھ ایسا ہے' ان کے ایک ہاتھ میں آئینہ ہوتا تھا' دوسرے میں چھڑی ہوتی تھی۔ دونوں جادوئی تھے۔ آئینے میں دیوار پار کے مناظر افشا ہو جاتے تھے۔ آئینہ چہرے بے نقاب کرتا تھا اور چھڑی ستم شعاروں کو ان کا تابع کرتی تھی۔ کسی عجوبہ روزگار مجسمہ ساز کے مانند ابن صفی نے ناقابل فراموش کردار تراشے ہیں۔ کون جانے' کتنے پڑھنے والوں نے ان کرداروں میں خود کو سمو دینے کی تمنا کی ہے۔

خالص ادب کی ایک مسلمہ شق پائیداری پر بھی ابن صفی کی تحریریں پوری اترتی ہیں۔ ۴۰' ۴۵ سال کے عرصے میں بار بار ان کے لکھے ہوئے کا اعادہ ہوتا رہا ہے۔ معدودے چند ان خوش نصیبوں میں ان کا شمار ہوتا ہے جن کی تحریروں کا انتظار کیا جاتا ہے۔ ناشر کی بابت سے صبح کسی کتاب کی تقسیم کا اعلان ہوتا تھا کہ خوردہ فروش متعلق تھوک فروشوں کے ہاں پھیرے لگانے شروع کر دیتے تھے۔ اردو میں سب سے زیادہ پڑھے' سب سے زیادہ خریدے جانے والے ادیب کا اعزاز بھی عرصے تک ان کے پاس رہا ہے اور صرف اردو میں نہیں' ادھر اردو میں ان کی کوئی تخلیق شائع ہوتی تھی۔ ادھر برصغیر کی مختلف زبانوں میں اس کا ترجمہ ہو جاتا تھا اور پڑھنے والے کا یہ تھا کہ سارے کام چھوڑ کے وہ ایک ہی نشست میں ناول تمام کر لیتا تھا اور مطالعے کے دوران اس پر شطرنج کی بازی ایسا سحر طاری رہتا تھا۔ کبھی چونک چونک پڑتا' زیر لب مسکرانے' بے اختیار کھل کھلانے لگتا۔ ابن صفی کسی مطلق العنان حاکم کی طرح اپنے قاری پر حکومت کرتے تھے۔ قاری ان کا معمول بن جاتا تھا۔ میں نے متعدد ادب کے مستند قارئین کو نہایت اشتیاق اور استغراق سے ابن صفی کو پڑھتے دیکھا ہے۔

بے ساختگی' برجستگی' سادگی' خوش اندازی ان کی تحریروں کا خاصہ تھی۔ وہ اردو کے بڑے بڑے جغادری ادیبوں سے زیادہ خوش گوار نثر لکھتے تھے۔ چٹکتے چمکتے فقرے' گدگدی کرتی ہوئی عبارتیں۔ ان کا پیرایہ اظہار انہی سے مخصوص تھا۔ بہت سادہ اور پرکار' بہت سہل اور رواں' بہت تیز اور تند' بہتی ہوئی نثر' پھولوں بھری نثر' بلا کی شوخی' بلا کی شگفتگی اور بلا کی تخی' حقیقت حال کی تخی۔ سنا ہے بابائے اردو حضرت مولوی عبدالحق کا فرمودہ تھا کہ ابن صفی نے اردو کی بڑی خدمت کی ہے۔

طالب علم اپنے بزرگ سے پوچھنا چاہتا تھا کہ ابن صفی کے باب میں ہمارے ناقدین کی وضع کس حد تک مناسب ہے۔ ابن صفی نے زندگی سے سوا کچھ نہیں لکھا ہے۔ خواب لکھے ہیں تو زندگی سے منسوب ہیں اور انہوں نے جو لکھا ہے وہ کسی اور کے

بس کی بات بھی نہیں رہی ہے۔ ان سے پہلے ان کے زمانے میں اور ان کے بعد کتنے قلم کاروں نے ان کی بے روی کی کوشش کی مگر کہیں بھی ان جیسی سحرکاری نہ تخلیق ہو سکی۔ کوئی ان جیسا صناع' مینا کار کیوں نہ سامنے آسکا۔ ابن صفی صاحب کوئی آسان ادیب تھے یا ان کا کام اتنا سہل تھا تو جگہ جگہ ابن صفی پیدا ہو جانے چاہیے تھے۔ جگہ جگہ ابن صفی پیدا ہوئے' ان سے ملے جلے ناموں سے بے تحاشا' بے محابا کہانیاں لکھی گئیں اور انہوں نے ابن صفی کا قامت اور نمایاں کیا۔ وہ کون سی رمز ہے جو ابن صفی کو اپنے ہم موضوع' ہم عصروں میں ممتاز رکھتی تھی اور ان کی وہ کون سی کجی ہے جو انہیں تذکرہ خاصان اردو میں اجنبی کیے ہوئے ہے۔ کیا بس اسی طرح ان کا ذکر آتا رہے گا کہ ایک لکھنے والا جو سراغ رسائی اور جرم و سزا کے موضوع پر اردو میں دلچسپ کہانیاں لکھتا تھا اور بہت پسند کیا جاتا تھا۔

طالب علم اپنے مشفق سے پوچھنا چاہتا تھا کہ اس ادب کو کون سے خانے میں رکھا جائے گا جس کی عمر کم ہوتی ہے جو ہوا کے جھونکے کے مانند گزر جاتا ہے اور بلبلے کی زندگی رکھتا ہے۔ جس لمحے کسی تحریر نے کسی کو آسودہ کیا' وہ لمحہ بھی تو زندگی کا جزو ہے۔ وہ کوئی وجود رکھتا ہے۔ کبھی تو وہ لمحہ ساری زندگی پر نقش ہو جاتا ہے' اور جانے دیجئے' اس لمحے کی عمر کتنی ہی پل بھر کی ہو اس میں ہونے والی سرشاری اتنی بے حیثیت نہیں ہے۔ لمحے بھر کے لیے آسودگی دینے والے ادب کو لمحی یا برساتی ادب کا نام دیا جائے مگر کسی نہ کسی نوع کے ادب میں تو اس کا شمار ہونا چاہیے۔

* ابن صفی صاحب قبلہ اور اس بے مایہ نیاز مند کے درمیان ایک تعلق خاطر تھا۔ لکھنے پڑھنے کی ابتدا میں ان کی تحریریں بھی شامل رہی ہیں۔ یہاں کراچی میں جب وہ تشریف لے آئے تو برادرم بلکہ برادر محترم ابراہیم رضوی سابق لکچرر' حال مقیم لندن کے توسط سے خدمت میں حاضری کا موقع ملا۔ اس زمانے میں' عالمی ڈائجسٹ کی ادارت و اشاعت کے کاموں سے واسطہ تھا۔ میں نے عرض کی "کیا ہی اچھا ہو' جناب کوئی قسط وار سلسلہ عالمی ڈائجسٹ میں شروع کریں۔ پرچے کی اشاعت بڑھ جائے گی۔" وہ کسی کو منع نہیں کرتے تھے۔ میں بھی مسلسل حاضریاں دیتا رہا اور قصہ مختصر میرے اصرار کی تاب نہ لا سکے' آمادہ ہو گئے۔ ایک دو قسطیں لکھیں پھر یہ سلسلہ ملتوی ہو گیا۔ انہیں فرصت ہی نہ تھی۔ میں نے کئی چکر لگائے۔ بہت التجا' بڑی داد فریاد کی اور ناکام ہو کے عالمی ڈائجسٹ کے قارئین سے معذرت چاہ لی۔ کسی سلسلے کا شروع ہونا اور اچانک اس کا بند ہو جانا کسی رسالے کے لیے بڑی سبکی کا موجب تھا۔ میں نے ان کے ہاں آنا جانا بند کر دیا۔

کچھ عرصے بعد یار عزیز ہمایوں اقبال' المعروف ایچ اقبال نے صفی صاحب کے لیے اپنے جریدے الف لیلہ کا ایک حصہ مخصوص کیا اور مجھے بھی کوئی تحریر لکھنے کا حکم دیا۔ وہ زمانہ بہت گرمی اور سرگرمی کا تھا۔ خون رگوں میں بلبلاتا تھا۔ کافی ہاؤسوں کے ادیبوں اور شاعروں میں نشست و برخاست بھی کچھ زیادہ تھی۔ میں نے ایک مختصر مضمون میں خوب سینے کا غبار ہلکا کیا۔ ہمایوں نے مذکورہ مضمون شائع نہ کیا۔ کسی نے مجھے بتایا تھا کہ ہمایوں نے میرا نامہ ہذیان صفی صاحب قبلہ کو دکھا دیا تھا اور صفی صاحب نے اجازت بھی دے دی تھی۔ تاہم ہمایوں نے اسے روک لیا اور مجھ پر احسان کیا۔ پھر جانے کتنے دنوں بعد مجھے صفی صاحب کی بیٹی کی شادی کا دعوت نامہ موصول ہوا۔ میں ندامت زدہ اس تقریب میں ان کے روبرو ہوا تو انہوں نے مجھے گلے لگا لیا کہنے لگے۔ "مجھے یقین تھا تم آؤ گے۔"

میں نے خجالت سے عرض کی۔ "آنا تو تھا ہی دعوت نامے پر آپ کا حکم الگ سے کندہ تھا۔" مجھے دلہا کے پاس لے گئے اور جب تک میں تقریب میں رہا کئی بار میری پرسش کی۔

یوں آمد و رفت پھر کھل گئی مگر سب رنگ کے بعد یہ عاجز خود کسی حال میں گھر گیا تھا۔ ایک حسرت ہی رہی۔ وقت پر ہم اندھا اعتماد کرتے ہیں کہ جو ہے' وہ کل بھی ایسے ہی رہے گا۔ ایک دن وہ چپکے سے چلے گئے۔ اپنے محبوب کو مٹی کی نذر کر دینا بڑی جاں سوزی کا مرحلہ ہے۔ یہ کام ان کے مشتاقاں کو انجام دینا پڑا۔ ناظم آباد کی پہلی چورنگی اب بھیڑ بھاڑ' دھوئیں اور شور کی زد پر آگئی ہے۔ کبھی یہاں بہت سکون ہوتا تھا۔ شام کو آس پاس کے مکین' جوانان خوش اوقات' حسینان خوش نظراں چہل قدمی کیا کرتے تھے۔ ریستوراں کے پہلو میں ابن صفی صاحب کا دفتر تھا۔ بہت کم لوگوں کو علم تھا کہ یہاں کون بیٹھتا ہے۔ چلمن ہٹا کے جھجکتا ہوا کوئی ان کے پاس جاتا تھا تو مسکراتی آنکھیں اس کا استقبال کرتی تھیں' وہ ایک گل زار' باغ و بہار آدمی تھے' خوب چٹکیاں بھرتے' فقرے کستے تھے۔ دمکتی پیشانی بے قرار دیدے' چمکتی آنکھیں' ان کے پاس جا کے کسی ٹھنڈک' کسی سائے کا احساس ہوتا تھا۔ انہیں دیکھ کے ان سے مل کے ہر ایک کو یہ شک گزرتا ہوگا کہ اتنا مرنجاں مرنج' اتنا ارزاں' اتنا آساں شخص ابن صفی جیسا خلاق' سخن طراز' نکتہ بیں' خیال آفریں تو نہیں ہوگا۔ ابن صفی نے کبھی پروا نہیں کی کہ ادھر ادھر کے لوگ ان کے بارے میں کیا کہتے' کیا لکھتے ہیں۔ اس گوشہ گیر کو اپنے کام سے علاقہ تھا۔ کسی تخلیق کار کی اس سے بڑی پزیرائی کیا ہوگی کہ ایک ہجوم اس کی راہ تکتا ہو' ایک خلقت دیدہ و دل فرش راہ کیے رہتی ہو۔ اس کا استغنا' اس کی بے نیازی بے سبب تو نہیں تھی۔ اس کی کج کلاہی کا تیور ہی کچھ اور ہونا چاہیے۔

کہتے ہیں' کام یاب آدمی کی کسوٹی یہ ہے کہ اس کے رخصت ہو جانے کے بعد کوئی خلا رہ جائے۔ کامیاب آدمی کے نقش آسانی سے نہیں مٹتے۔

ہر خلا کا پر ہو جانا ایک اچھی بات ہے۔ یہ کارواں کے رواں رہنے کی علامت ہے۔ کاش پھر کوئی ابن صفی پیدا ہو۔ اے کاش!

وما علینا الا البلاغ شکیل عادل زادہ عفی عنہ